تابدار

(غزلوں اور نظموں کا مجموعہ)

اسحاق ملک

© جملہ حقوق بحق محترمہ عارفہ بانو محفوظ۔

نام کتاب : تابدار

موضوع : شاعری

سالِ اشاعت : ١٩٩٣ء

تعداد (٥٠٠)

کتابت معہ سرورق زینت کیلی گرافک سنٹر، جدید ملک پیٹ حیدرآباد

طباعت : دائرہ الکٹرک پریس، چھتہ بازار حیدرآباد

ترتیب و تزئین : ڈاکٹر یوسف ندیم

تقسیم کار : شاہ محمد افتخار قادری الملتانی ۔ نازیہ رفعت

قیمت : 30 روپے، سعودی عرب : 30 ریال، دیگر ممالک : 20 امریکی ڈالر

زیر اہتمام : انجمن تعمیر ادب آندھرا پردیش اینڈ فرینڈس ریڈنگ روم، ٢٢-١-٨٧٣ سلطان پورہ حیدرآباد ٥٠٠٠٢٤۔

891.4391

ملنے کے پتے :۔

- بمکان مصنف، ٢٢-١-٨٧٣ سلطان پورہ حیدرآباد ۔ ٢٤ اے پی

ISH

- حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان حیدرآباد ۔ ٥٠٠٠٠٢
- یوسف بک اسٹال متصل شمس ہوٹل چادر گھاٹ حیدرآباد۔
- سلیم بک اسٹال عابد شاپ روبرو جنرل پوسٹ آفس حیدرآباد
- ماہ نامہ "شاداب" ١٤-٥-١١ ریڈ ہلز حیدرآباد۔
- ظفر اقبال ظفر ١٧٥، خیلدار فتح پور ٢١٢٦٠١ یو پی۔

بہ تعاون جزوی اعانت : اردو اکیڈمی آندھرا پردیش ۔ حیدرآباد

انتساب

انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ

محترمہ والدہ صاحبہ مرحومہ و مغفورہ

اور

محترم والد صاحب مرحوم و مغفور

کے نام

○

نہایت خلوص و محبت کے ساتھ

جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ "سیاست"
حیدرآباد

جناب ہارون رشید علیگ ایڈیٹر ہفت روزہ "بلٹز"
بمبئی

کے نام

۷۸۶

اَللّٰہ رَبُّ العِزت کا ہزار صد ہزار بار شکر گزار ہوں کہ اس نے رسول اللہ صلعم کے صدقے آج یہ سعادت بخشی کہ میں اپنا دوسرا مجموعۂ کلام 'تابدار' منظر عام پہ لا رہا ہوں ــــ

اظہارِ تشکّر!

پہلے مجموعہ کلام 'نوشگفتہ' (۱۹۸۲ء) کے بعد اب زیر نظر اشاعت "تابدار" (۱۹۹۳ء) کے لیئے جن کرم فرماؤں اور مشفق حضرات نے دامے درمے سخنے مجھ سے تعاون کیا نیز ہند و پاک و بیرون ممالک کے معیاری ادبی رسائل، جرائد اور اخبارات کے قابل احترام مدیران نے میرا کلام شایع کیا، میں اُن کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ مجھے اُن تمام بزرگوں اور احباب کا ہمہ قسمی تعاون آئندہ بھی حاصل رہے گا۔

اسحاق مَلک

حضرت خمار بارہ بنکوی

غزل گو شاعر

میں نے اسحاق ملک صاحب کا کلام بارہا سُنا ہے اور ان کے شعروں سے خاطر خواہ لطف اندوز ہوا ہوں ۔ موصوف میں ایک اچھے غزل گو شاعر کی پوری صلاحیتیں ہیں ۔ اس لیے ان کی لگن، خلوص اور محنت پر مجھے یقین ہے کہ شاعری میں اپنے نام کو ہمیشہ اونچا رکھیں گے ۔

ان کا پہلا مجموعہ کلام "نوشگفتہ" ہے جس کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اب جبکہ میں اسحاق ملک کا دوسرا مجموعۂ کلام "تابدار" دیکھ رہا ہوں تو مجھ کو بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ اسحاق ملک نے اپنی محنت و لگن کو برقرار رکھا ہے علاوہ ازیں باذوق حضرات نے ان کی ہمت افزائی فرمائی ہے اس طرح اسحاق ملک نے ادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کرلیا ہے ۔

★

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

اسحاق ملک شاعر ہی نہیں، محنت کی آبرو ہیں

اسحاق ملک، آندھرا پردیش گورنمنٹ پریس کا مزدور ہے۔ پرنٹنگ کا ڈپلوما رکھتا ہے اور ۵۰ سال کے اوپر عمر ہوگی۔ شاعری ورثے میں ملی۔ گھر میں شعر کا چرچا تھا، اسی لیے کم عمری ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔

ان کا پہلا مجموعہ "نوشگفتہ" ۱۹۸۲ء میں چھپ چکا ہے۔ روایتی شاعری کے ماحول میں اسحاق ملک نے شعر کہنا شروع کیا۔ لیکن اُردو شاعری سننے والوں کا دماغ اتنا خراب کر دیا ہے کہ نہ تو وہ روایات سے کسی بڑے انحراف کو گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی وہ روایت میں جکڑی ہوئی ایسی شاعری کو برداشت کرتے ہیں جس میں اقتضائے عنصری کی صدائے بازگشت نہ ملے۔

اسحاق ملک کی شاعری سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ وہ ایک طرف روایت کی پابندی کا منکر نہیں ہے اور دوسری طرف اس پر زندگی بھرپور طاقت سے یلغار کرتی ہے۔

مزدور ہونے کے ناطے انفرادی اور اجتماعی محرومیوں اور کشمکش حیات کی مصروفیتوں کو اپنا رنگ شاعری میں اظہارِ خیال کیا۔

لیکن اسحاق ملک یہاں رُک نہیں جاتا اور سفر کی لذّت سے واقف ہے۔ شاعری کا ذوقِ سفر ہی تو محنت کش کی زندگی کا راز ہے جو اس کے حوصلے بڑھاتا ہے اور اسحاق ملک کے کلام میں یہ اقتضائے عنصر ہی اس کے کلام کو ایک طرف روایت جسے جوڑے رکھے ہوئے ہیں دوسری طرف اسے اپنے سننے والوں سے بھی وابستہ کرتا ہے۔

اسحاق ملک مزدور ہے، شاعر ہے، ٹریڈ یونین لیڈر ہے اور کئی ادبی اداروں سے وابستہ ہے۔

وہ شاعر ہی نہیں، محنت کی آبرو ہے۔

ڈاکٹر راہی قریشی

صدر شعبۂ اُردو گلبرگہ یونیورسٹی
گلبرگہ ۔ کرناٹک ۔

جناب اسحاق ملک ، حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی دیرینہ و روشن شعری روایات کے امین ہیں ۔ زندگی اور زمانے کی ساری امانتیں انھوں نے صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دی ہیں ۔ اس سرمایۂ سخن میں احساسِ محرومی تو ہے لیکن خوگر رنج ہو کر رنج پر غالب آنے کا عزم بھی موجود ہے ۔

جناب اسحاق ملک کی شاعری ان کی سادگیِ طبع کی آئینہ دار اور ان کی سخت کوشی کی ترجمان بھی ہے ۔ اسی جہد و کاوش نے ان پر یہ بات روشن کی ہے کہ ع

"جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا"

مجھے یقین ہے کہ اُن کا عزم و استقلال ، ان کے کلام کو مزید تنوع بخشے گا ۔ وہ ایک سنجیدہ ، متین اور نرم گفتار فن کار ہیں اور اُن کی شاعری ؎

از ما مپرس دردِ دلِ ما ، کہ یک زماں
خود را بہ حیلہ پیشِ تو خاموش کردہ ایم

کی تفسیر ہے ۔

رابعہ فرحت

کچھ شاعر کے بارے میں...

اُردو زبان کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر حیدرآباد نے بے شمار قابل قدر ادیب و شاعر پیدا کئے جنھوں نے اُردو ادب کا نام کوہِ نور بن کر روشن کیا۔ اسی شہر میں اُردو ادب کے ایک جانے ملانے شاعر اسحاق مَلِک نے ۹ راپریل ۱۹۴۳ء کو جنم لیا۔ سلسلۂ نسب حضرت سید شاہ محمد ملتانی قادریؒ بیدر شریف ضلع کرناٹک سے جاملتا ہے جو ان کے جدِامجد تھے۔ والدمحترم کا نام سید شاہ محمد ابراہیم قادری (مرحوم) تھا جو ایک گوشہ نشین بزرگ و شاعر گزرے ہیں۔ اسحاق مَلِک اپنے قلمی نام سے ہی جانے پہچانے جاتے ہیں، اصلی نام شاہ محمد اسحاق قادری الملتانی ہے۔ شاعری ورثے میں ملی۔ ان کی رجحان مرنج فطرت، سادہ مزاجی اور سخت محنت و لگن نے ۳۰، ۳۵ برسوں میں چمنستانِ شاعری کو آبیار کرکے ہندوپاک میں انھیں مقبول کردیا۔

آپ حیدرآباد کے ممتاز استادِسخن جناب حمید رونق کے ارشد

تلامذہ میں ہیں۔ان کا ایک مجموعۂ کلام " نوشگفتہ" کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکا ہے اور دوسرا مجموعۂ کلام "آبدار" آپ کے زیرِ نگاہ ہے۔ موصوف ایک ادبی انجمن "تعمیر ادب آندھرا پردیش و ریڈنگ روم کے سکریٹری بھی ہیں اور گورنمنٹ پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد میں اپنی ملازمت کے ۲۵ سال مکمل کر رہے ہیں۔ نمایاں خصوصیت کے اعتبار سے ان کی ایک معیاری نظم "نقیبِ زمانہ" کو ماہ نامہ "شاعر" بمبئی نے اپنے ضخیم رسالہ " غالب نمبر" میں ہند و پاک میں غالب صدی کے موقع پر شائع کیا۔

ادبی ایوارڈز، ۱۹۷۴ء میں ماہنامہ 'روبی' دہلی' ۱۹۸۱ء میں ماہنامہ "نگار" دلی، ۱۹۸۷ء میں پاشاہ اُردو لائبریری مظفر نگر اتر پردیش اور ۱۹۸۹ء میں "بزم معیار ادب" بمبئی سے ملے۔

لاس اینجلس (امریکہ) سے ہفتہ وار شائع ہونے والے رسالہ "پاکستان لنک" (اردو انگریزی) میں اسحاق ملک کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد، بنگلور، دلی، بمبئی کے علاوہ دُوردرشن سے بھی اُن کا کلام نشر ہوتا ہے ؎

مفکر و دانشور جناب شہرت اللہ خاں
اور
شاعر سلام مچھلی شہری

پاکستان کراچی سے ایک خط
اسحاق مَلِک کے نام

اسحاق ملک صاحب، عرض ہے کہ ناچیز سے آپ واقف نہیں ہیں لیکن میرے اور آپ کے درمیان، آپ کے باکمال کلام کی معرفت غائبانہ تعارف ہے یعنی میں نے یہ شرف حاصل کیا ہے کہ آپ کا پہلا مجموعہ 'نوشگفتہ' میرے ہاتھوں سے گزرا ہے۔ الحمدللہ بڑے طویل عرصہ کے بعد بھارت کے کسی نوجوان شاعر کو میری روح نے تسلیم کیا ہے۔ میں حالانکہ بھارت کا ہی رہنے والا ہوں لیکن ملک کی تقسیم کے بعد یہاں آگیا تھا۔ یہاں پر میں نے ایک اردو کے رسالے میں آپ کی غزل پڑھی تھی۔ اس کے بعد میں نے پاکستان اردو اکادمی کراچی سے خط وکتابت کی کہ محترم مَلِک صاحب کا پتہ اور اُن کے دیوان یا اگر کوئی مجموعہ شائع ہوا ہو تو برائے مہربانی بتائیں۔ خدا کا کرم دیکھیے وہاں سے جواب یہ آیا کہ بمبئی سے شائع شدہ پرچہ کا ذکر انھوں نے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے براہ کرم خط وکتابت کریں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحبہ

سے میں نے خط و کتابت کی کیوں کہ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کا کلام "نوشگفتہ" کا ایک نسخہ براہ کرم آپ کے پتے پر پاکستان بھجوایا اور آج ہی میں نے اُسی پتہ کے ذریعہ سے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

بھائی ملک صاحب، خدا کی قسم آپ نے کمال کر دیا بس لگتا ہے کہ آپ کی ولادت کے لیے اردو شاعری ایک عرصہ سے منتظر تھی۔ کیا رنگ ہے آپ کا، روزمرہ کی باتوں کو آپ نے الفاظ کے سانچے میں ایسا ڈھال دیا ہے کہ بس مت پوچھو، ہمارے پاکستان کے شاعر محترم سلام مچھلی شہری بھی ایک دن میرے مکان تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی کتاب نوشگفتہ" دکھلائی بس یہ سمجھو کہ وہ جھوم جھوم گئے اور آپ کی تصویر کو دیکھ کر بولے کہ نوجوانی میں یہ حال ہے تو آگے کیا ہوگا۔

محترم سلام مچھلی شہری صاحب بے ساختہ بول پڑے کہ ایک دن یہ نوجوان اردو ادب میں آفتاب کی طرح روشن ہوگا (آمین)

چوں کہ اب آپ سے تعلقات ہو ہی گئے ہیں۔ آپ کی تازہ تخلیقات ارسال کریں۔ میں آپ کا شکرگزار رہوں گا۔ ساتھ ہی ایک عدد فوٹو بھی بھجوایئے۔

▲▲

جناب ایس۔یو۔خاں، ادب نواز

علی غول مکان نمبر ۱/۹۵ جھانسی، اتر پردیش

اکثر ہند و پاک رسائل و اخبارات میں اسحاق ملک کا کلام پڑھتا رہتا ہوں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "نوشگفتہ" بھی زیر مطالعہ رہا۔ اور حال ہی میں ان کی تصویر کے ساتھ "اخبارِ نوجوان" نئی دہلی میں بھی کلام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

ہم نے اپنے یہاں کے لوگوں کو خاص طور سے کچھ شاعر دوستوں کو دکھایا۔ سب حضرات نے داد دی ہے بلکہ ایک شاعر نے یہاں تک کہا کہ ادب کے ذریعہ انسان کا نام طویل عرصہ کے لئے زندہ رہتا ہے جبکہ اولاد سے انسان کا نام دس بیس برس تک ہی زندہ رہتا ہے اور ایک شعر اسحاق ملک صاحب کے کلام کی تعریف میں پڑھا اور مجھ کو تاکید کی کہ مبارک باد کے ساتھ یہ شعر اُن تک بھیج دوں ویسے یہ شعر حضرت ذوقؔ دہلوی کا ہے ؎

رہتا سخن سے نام ہے اے ذوقؔ تا ابد
اولاد سے تو ہے یہی دو چار دس برس

▲▲

سید منظور احمد قاسمی
سکریٹری اڑیسہ اُردو اکاڈمی
بھوبنیشور — 12

ماشاءاللہ آپ تو اُردو دنیا کے جانے پہچانے شاعر ہیں اور پھر کثیر گو شاعر۔ آپ کی ذات سے کون واقف نہیں۔
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ — (آمین)

فرید پاشاہ آذار ممتاز صحافی
مظفر نگر اتر پردیش۔

"علامہ اقبال نے قطرہ قطرہ سے دریا بنایا مگر اسحاق ملک نے دریا کو اپنی شاعری کے ذریعہ کوزے میں بند کردیا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے"

منظر محمود آبادی، اتر پردیش
سبحان اللہ! کیا اندازِ بیان ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ غزلیات انتہائی مرصع اور مسجع ہیں۔ کلام میں بلا کی پختگی اور جاذبیت ہے ماشاءاللہ۔

جناب شاذ تمکنت
(مرحوم)

اسحاق ملک
خوب سے خوب تر کی تلاش

اسحاق ملک ایک پُرخلوص منجان مرنج اور سادہ طبع نوجوان شاعر ہیں، ان کا یہ پہلا شعری مجموعہ جس میں نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی، ایک عہد و پیمان کی مثال ہیں۔ شاعر کا یہ عہد و پیمان اپنے قارئین سے ہے جنھیں خوب سے خوب تر کی تلاش رہی ہے۔ عہد و پیمان سے ایفائے عہد تک کی منزل سخت دشوار گذار راستوں کا سفر ہے۔ مجھے اسحاق ملک کی لگن، خلوص، باطنی اور انہماک سے توقع ہے کہ وہ یہ سفر تیزی کے ساتھ مگر خوش گامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے طے کریں گے۔

★

ترتیب

نعت شریف ________ ۱۷

غزلیں ________ ۲۹

نظمیں ________ ۸۱

○

جان و دل، چین اور قرار نبیؐ
آپ کے نام پر نثار نبیؐ

آپ کے اُمتی ہیں یہ بس ہے
اور کیا چاہیے وقار نبیؐ

اب تو للّٰہ ایک چشمِ کرم
دل پہ صدقے ہیں بے شمار نبیؐ

مومن و معتبر وہ کہلائے
جس کا ایمان و اعتبار نبیؐ

ہم غلام و فقیر و بے رتبہ
آپ آقا و تاجدار نبیؐ

روضۂ پاک پر تلک پہنچے
اُس گھڑی کا ہے انتظار نبیؐ

○

سرفرازی کا ثمر بڑھ کے اٹھالوں تو چلوں
روضۂ پاک پہ سر اپنا جھکا لوں تو چلوں

یونہی چلنا نہیں اے دوست مجھے سوئے وطن
خاکِ طیبہ مری پلکوں پہ سجالوں تو چلوں

روزِ محشر یہ شفاعت کی ضمانت ہوگا
روئے سرکار کو آنکھوں میں بسالوں تو چلوں

ہتے ہیں چلو کعبۂ ایماں کی طرف
ں بیٹھے ہوئے بت اپنے گرا لوں تو چلوں

توُنے کلِّ عالم پہ دیر بسم اللہ
ے اِقرار کا سبق غارِ حرا لوں تو چلوں

پاک پہ ہو جائے گا یہ جی ہلکا
آق میں ذرا اشک بہا لوں تو چلوں

فرشتو! مجھے دو نامۂ اعمال مَلک
پہ تجویز نبیؐ کیا ہے لکھا لوں تو چلوں

۲۰

بکھرے ہوئے گلشن میں ملاقات ہوئی تھی
تپتے ہوئے صحرا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہوں

دونوں میں اک سبب ہے یہی امتیاز کا
تم ہو سراپا ناز، میں بندہ نیاز کا

آواز ہے کہ لَے کا سہارا لیے ہوئے
اِک ایک بول ہے کہ تڑپتا ہے ساز کا

فکرِ بشر کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی!
پردہ اُٹھا نہیں ابھی ہستی کے راز کا

اسرارِ بندگی نہ کھلیں جس نماز سے
قائل نہیں ہوں میں کبھی ایسی نماز کا

یہ چھاؤں ٹھنڈی ٹھنڈی یہ پُرکیف رات دن
سایہ ہے میری زیست پہ زلفِ دراز کا

دامن بچا کے چلیے یہ دشوار ہے بہت
ماحول توڑ جوڑ کا ہے، ساز باز کا

اب کس طرح تِلکؔ نہ سنبھل کر چلیں گے ہم
دیکھا ہے ہم نے دَور نشیب و فراز کا

ظرفِ انساں جو کسی حال میں اونچا ہوگا
ایک تنکے کا بھی احساس نہ ہلکا ہوگا

میں سمندر کی تہیں توڑ کے نکلوں گا مگر
میرے آگے تو وہی پیاس کا دریا ہوگا

یوں کھلے عام جو تعریف کے پل باندھوگے
سستے داموں مری پہچان کا سودا ہوگا

مدّعی کون ہے اس جذبۂ نازک کے لیے
غم اٹھالے گا اگر دل میں سلیقہ ہوگا

دل تو جل بجھ گیا اس بات کو مدّت گزری
اس دبی راکھ میں شاید کہ شرارا ہوگا

ہو کے ویراں جو کسی طرح نہ بسنے پائے
تم نے اس شہر کو شاید نہیں دیکھا ہوگا

ان سے مل کر بھی ملکؔ ہم سے بھری محفل میں
مدّعا عرض، نہ اظہارِ تمنّا ہوگا

ساقی کی جب نگاہ پہ ایمان لاؤں گا
پینے کو چھوڑ چھاڑ فقط لڑکھڑاؤں گا

جس کارواں میں گرمیٔ ذوقِ سفر نہ ہو
اس کارواں کی گرد سے دامن بچاؤں گا

تیری طرف سے پاؤں اگر اذنِ زندگی
تیرے بغیر بھی تجھے جی کر بتاؤں گا

اندازہ ہوگا ان کی جوانی کا کچھ انھیں
ان کو جو ان کے سامنے لاکر دکھاؤں گا

دیکھوں گا مُنہ شکستِ تمنا گر کبھی
دُنیا کے اعتبار کو ٹھوکر لگاؤں گا

جو میرے دردِ دل کا مداوا نہ بن سکیں
اُن مسکراہٹوں سے نگاہیں چراؤں گا

اللہ گر ملک مجھے توفیقِ نیک دے
ٹوٹے دلوں کا آسرا بن کر دکھاؤں گا

○

جلوۂ رُخ کی دعوت دینا
میری نظر کی قیمت دینا

کاسۂ عصیاں کیسے اُٹھاؤں
صدقۂ شانِ رحمت دینا

ٹھیر ذرا اُس کے آنے تک
عمرِ رواں! دھوکا مت دینا

رزق تو ہر گھر میں بٹتا ہے
ہاتھ میں لیکن برکت دینا

آپ نہ کرنا کوئی تکلّف
آپ مجھے ہر زحمت دینا

مجھ کو نہ دینا خُفتہ امارت
جاگتی جیتی غربت دینا

غم سارے تسلیم الٰہی!
غم سہنے کی طاقت دینا

بس یہ دُعا ہے رب سے مِلّت کے
علم کو ہوش و حکمت دینا

کسی بندھن کو نہ دنیا کے مقابل باندھا
روح رشتے میں بندھی آپ سے جب دل باندھا

وعدۂ ہمسفری آپ سے ایفا نہ ہوا
ہم نے سامان سفر اپنا نہ مشکل باندھا

فکر و احساس پہ صیاد کی کچھ چل نہ سکی
دست و پا پر مرے زنجیر و سلاسل باندھا

دور بیٹھے تو ہیں پر اُن کی نگاہوں میں تو ہیں!
یہ تصور کبھی ہم نے سرِ محفل باندھا

آزمایش ہی جو منظور تھی شاعر کی ملکہ
اِن ردیفوں میں خیالات کا حاصل باندھا

○

بسمل کا رقص دیکھ کے دل دل نہیں رہا
قاتل کی ہے تلاش مگر مل نہیں رہا

یا انقلاب وقت نے بدلی تری نظر
یا میں ہی تیری دید کے قابل نہیں رہا

کچھ قافلے کا ہوش، نہ رہبر کی جستجو
ذوقِ سفر رہا، غم منزل نہیں رہا

ہر روز ذبح ہوتے ہیں کتنے ہی سادہ دل
قاتل بھی تیرے دور میں قاتل نہیں رہا

وہ آب و تاب صحبت احباب لٹ گئی
اب اعتبارِ گرمیٔ محفل نہیں رہا!

پوچھا ملک ہے آدمی کیسا؟ تو یہ کہا
دیوانہ آدمی کسی قابل نہیں رہا!

○

آئینہ جب بھی سامنے آیا
میری نظر نے دھوکا کھایا

شعلے بھڑکے گلشن گلشن
جب آنچل ان کا لہرایا

تاباں تاباں اُن کا مکھڑا
ماہِ کامل بھی شرمایا!

آگے آگے شمعِ محبّت
پیچھے پیچھے غم کا سایا

ہے یہ مسلکِ انجامِ محبّت
خود کو کھو کر اُن کو پایا

(۰)

اس قدر صبر و تحمل آپ دکھلائیں گے کیا
میرے ذوقِ غم کی حد سے بھی گزر جائیں گے کیا

سب ادھورا ہے ابھی کارِ درازِ زندگی
سوچنا کچھ بھی نہیں اب سوچ کر پائیں گے کیا

آج کل میرے پڑوسی مجھ سے کچھ ناراض ہیں
توڑنے شیشے کا گھر، پتھر وہ برسائیں گے کیا

کچھ بھی زادِ راہ ہنگام سفر ہو تو کہیں
یہ مسافر جائیں گے پر ساتھ لے جائیں گے کیا

پڑ گئیں جس خط کو پڑھ کر جسم و جاں میں لرزشیں
اے مَلِکؔ اُس خط کا مضموں آپ دہرائیں گے کیا

○

کہاں جائیں ہم، وقت کیا آگیا
نیا موڑ، رستہ نیا آگیا

صدائیں کئی بند ہونے لگیں
کہاں سے یہ اِک بے نوا آگیا

مسیحا بھی ہونے لگے دم بخود
یہ کون آج نبض آشنا آگیا

جسے آپ کی دید کا دن کہیں
وہ دن آج پھر مرحبا آگیا

نہ تھا ابنِ آدم کو دھڑکا مگر
سوالِ فنا و بقا آگیا

چراغوں سے کیا گفتگو چھیڑنے
کوئی ٹمٹماتا دیا آگیا

غمِ زندگی کون سہتا ملکؔ
مجھے کم سے کم حوصلہ آگیا

پیری میں ڈھل رہی ہے جوانی پرت پرت
ڈھلنے کو ہیں حدودِ مکانی پرت پرت

یہ عشق لازوال سمجھنا گُماں ہے
لاکھوں خیال، ایک کہانی پرت پرت

تاثیر کا پتہ ہی نہیں کچھ بھی تہہ بہ تہہ
کمزور ہے یہ جوشِ بیانی پرت پرت

آنکھوں میں اشکِ غم جو مچلتے ہیں دیکھیے
اُبھرا ہے کھول کھول کے پانی پرت پرت

دانش کہیں کمند نہ پھینکے جنون پر
ذہنوں کی رُک نہ جائے روانی پرت پرت

ٹیسیں اٹھیں گی چیخ کی صورت میں ایک دن
ناسور ہے یہ زخمِ نہانی پرت پرت

دل کے ورق ورق کو کھنگالا گیا مَلِک
تب آئی شعر میں یہ روانی پرت پرت

○

اے ناسمجھ کبھی تو ٹھکانے کی بات کر
پہلے مجھے سمجھ کے زمانے کی بات کر

اب وہ سُرور وکیفِ درو بام غم نہیں
ایوانِ غم کو پھر سے سجانے کی بات کر

پتھر سمیٹ جتنے ملیں دُور دُور تک
شیشے کے گھر کو اپنے بچانے کی بات کر

جینے کا اِک اصول ہے چل جس پہ عمر بھر
اپنی نہ میری، سارے زمانے کی بات کر

اس بزمِ بے حسی میں نہ کر رازِ دل عیاں
دلچسپ و پُر مزاح فسانے کی بات کر

بے رہروی کا تجھ پہ ہے الزام راہبر!
بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لانے کی بات کر

جب ہے نیاز مندِ محبت بنا ہوا
اس مہ جبیں کے ناز اٹھانے کی بات کر

زاہد! مرے اختیار سے باہر ہے میکشی
مستوں سے تو نہ ہوش میں آنے کی بات کر

تسکین اضطراب کا مشتاق ہے مَلک
ظالم کبھی نہ چھوڑ کے جلنے کی بات کر

○

ملتی نہیں اک رند سے ساقی کی نظر تک
رہتا ہے مگر دور میں پیمانہ سحر تک

سب کچھ یہ قدرت سے پہنچتا ہے بشر تک
جو تخم لگائے وہی کھائے نہ ثمر تک

سہمے ہوئے کچھ لوگ ہیں کشتی کے محافظ
موجوں میں تلاطم نہیں، پانی نہیں سر تک

رہ رہ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے نہ ڈراؤ!
جلتے ہوئے داغوں کا اجالا ہے نظر تک

ملتی ہیں یہاں بے خودی و ہوش کی راہیں
ہر منزلِ ہستی ہے تری راہ گزر تک

اتنا ہے مِلک ظرف فروشوں کا تصرّف
اِس دور میں بدنام ہیں اربابِ ہنر تک

مرے سازِ دل کا لہجہ نہیں نغمگی میں شامل،
کئی غم کی جھلکیاں ہیں مری ہر خوشی میں شامل

میں ہوں اِک حقیر بندہ، مرا کیا مقام سجدہ
یہ ترا کرم کہ ہوں میں تری بندگی میں شامل

مری زندگی کے ہر پل میں شریک تھا زمانہ
ہوئے تم ہر ایک صرّخ سے مری زندگی میں شامل

کبھی شہر کے مؤرّخ جو لکھیں کتاب ہستی
مری معتبر روِش کو کریں ہر صدی میں شامل

تجھے رنگ و بُو ہے حاصل تو کبھی نہ پھول اِترا
ہے فنا کا بھی تو پہلو تری دلکشی میں شامل

مری مے میں کس لیے ہے یہ سیاست زمانہ
نہ میں دوستی میں شامل نہ میں دشمنی میں شامل

جنھیں میں ملک جہاں میں شب و روز دیکھتا ہوں
وہ تمام تجربے ہیں مری شاعری میں شامل

کب سے بیٹھا ہوں میں ملول
تیرا کرم اور اتنی بھول

ایک نہ ہوں گے عمر تمام
تیری طبیعت، میرے اصول

صبح بھی ہوگی یا کہ نہیں
اے شبِ ہجراں اتنا طول

جو بھی یدِ قدرت سے ملے
پھول نہیں کانٹے بھی قبول

آپ کو شاید دل ہی نہیں
آپ سے دل کی بات فضول

کون بھلا کس کے کام آئے
سب مصروف و سب مشغول

سایۂ گُل ہے سر پہ مگر
پاؤں تلے ہے خارِ ببول

○

کیا دُنیا اے دل آرام
تیرے نام سے مجھ کو کام

حُسنِ عمل سے ہوگا بشر
خوش اوقات و خوش انجام

وجہِ سکون و راحت ہے
تیری نظر کا ایک پیام

مست خرام اب تو آجا
دن کا دُکھ پی لے گی شام

غم سہہ لوں گا تیرے لیے
تیرا سکوں میرا آرام

دل کی ہے یہ کروٹ کیسی؟
درد نہیں پابندِ مقام

پاس و لحاظِ جلوہ کہاں
تجھ پہ نگاہ خاص و عام

شاہ کا رُتبہ پوچھتے ہیں
پچھلے کئی وقتوں کے غلام

موج کریں کم ظرف مَلک
خوب ہے میخانے کا نظام

○

بڑی ترتیب سے محفل سجانا جانتے ہیں ہم
کہاں کس کو بٹھانا ہے بٹھانا جانتے ہیں ہم

ملاقاتوں پہ پابندی سہی حالات کے ڈر سے
کم از کم آپ کے خوابوں میں آنا جانتے ہیں ہم

تمہارے دل دکھانے کی کبھی پروا نہیں کرتے
بہر صورت تمہارے ناز اٹھانا جانتے ہیں ہم

شکستہ دل کو اپنے جوڑنا اب تک نہیں آیا
ہر اک شیشے سے آئینہ بنانا جانتے ہیں ہم

غرورِ حسن کا اِک دن اُتر جائے گا خود یارہ
محبت کے کئی جادو جگانا جانتے ہیں ہم

نمک ہوگا بھلا کیسے نہ چہرہ خوشگوار اُس کا
وہ جس کے عکسِ رُخ کو بھی سہانا جانتے ہیں ہم

نکلوں جس راہ سے اے دوست نہ ڈر کر نکلوں
تیرے کوچے سے تو مہما ہو اکثر نکلوں!

پیروی اہلِ سفر میں نے تمہاری کی تھی!
نقشِ پا مٹ گئے اب کیسے سفر پر نکلوں

آج تک مجھ کو نہیں ہوش زمیں والوں کا
فائدہ کیا جو میں سوئے مہ و اختر نکلوں

اے ہوس! تو نے مری روح کو آزار دیا
فکر یہ ہے کہ ترے دام سے کیوں کر نکلوں

اس کی محفل میں ہے بیگانہ روی کا عالم
اب سکوں ڈھونڈنے کس جا دلِ مضطر نکلوں

راستہ کوئی ہو چلنے کا نہیں ہر رستہ
تیرے رستے پہ مگر موت سے لڑ کر نکلوں

اے فلک ساتھ دیا میرا سخن فہموں نے
مجھ کو منظور نہ تھا بن کے سخنور نکلوں

ہر دور میں، ہر حال ترے ساتھ رہا ہوں
پہچان مجھے زندگی میں کون ہوں کیسا ہوں

ناکردہ گناہوں کی سزا جھیل رہا ہوں
اے دوست میں اِس دور کی معصوم خطا ہوں

بِکھرے ہوئے گلشن میں ملاقات ہوئی تھی
تپتے ہوئے صحرا میں تجھے ڈھونڈھ رہا ہوں

آواز اگر دوں بھی تو سُنتا نہیں کوئی
میں ایک بھرے شہر میں صحرا کی صدا ہوں

کیا یہ مرے احساسِ محبّت کا صلہ ہے
کچھ تیری محبت میں کمی دیکھ رہا ہوں

چیخوں تو کسی کو بھی سنائی نہیں دیتا
بھٹکے ہوئے مَیں ایک مُسافر کی صدا ہوں

بِکھرا ہوا ملتا ہے ملک میرا تخیّل
ہر رنگ میں ڈھل کر میں نیا رنگ بنا ہوں

کیا ہوش زندگی کا ہوں مست بےخودی میں
کچھ بھی نہیں ہے مجھ میں سب کچھ ہے آپ ہی میں

یہ آرزو ہے اُن کا ہو جاؤں جان و دل سے
ہرگز نہ فرق آئے میری سپردگی میں

اپنے لیے نکالے بخشش کا کوئی رستہ
یہ جستجو تو ہوگی لیکن کِسی کِسی میں

اے راسخ العقیدہ بڑھ کر انہیں اُٹھالے
گلہائے آرزو ہیں ہر دامنِ ولی میں

اللہ تک رسائی مشکل ہے آدمی کی
جب تک مزے نہ لوٹے بندے کی بندگی میں

یہ اِس کا ہے دِوانہ، وہ اُس کا ہے دِوانہ
مسلک جُدا جُدا ہے ایمانِ عاشقی میں

کس کو مِلا ہے آخر نازِ خداشناسی
انسان ہو مکمل پہلے خود آگہی میں

دل وہ کیا دل جو ترے پیار سے معمور نہیں
کون ہے جس کو یہ دیوانگی منظور نہیں

لذّتِ دید جھلکتی ہے مری آنکھوں سے
میں ہوں مخمور فقط بادہ تو مخمور نہیں

دل میں، آنکھوں میں ہر اک شئے میں ہے جلوہ اس کا
دیکھنے والے! یہ نظارہ سرِ طور نہیں

لے چلے خود کو تعیّن کی حدوں سے باہر
ایسا حق گو نہیں، ایسا کوئی منصور نہیں

وہ مرے سامنے آجائیں پشیماں ہو کر
اے محبت! یہ ندامت مجھے منظور نہیں

کشمکش فرقتِ پیہم کی بڑھے اور بڑھے
وصلِ جاناں کی تو شب آئے گی کچھ دور نہیں

ہر بشر آج مَلک اپنی طلب میں گُم ہے
ایسا کوئی ہے جو حالات میں محصور نہیں

گلہ کروں بھی تو بے سود فائدہ ہی نہیں
تمام حبس کا ماحول ہے فضا ہی نہیں

جگہ جگہ سے ہے یہ کھو کھلا جگر میرا
مہکتے زخم میں بوُ باس کا پتہ ہی نہیں

یہ راستہ مجھے جانے کہاں پہ لے جائے
سفر طویل بہت اور نقش پا ہی نہیں

مری حیات اُجالوں کو رہ گئی پیاسی
اندھیرا کوئی دلیلِ سحر بنا ہی نہیں

یہ دل ہے شیشۂ نازک نہ توڑیئے اس کو
پرے ہٹائیے صاحب جو آپ کا ہی نہیں

نظر میں اس کا وجود اس قدر اُتر آیا
کہیں کہیں تو مجھے خود مرا پتہ ہی نہیں

مُلک بہ جبر مجھے لوٹنا پڑا واپس
فصیلِ شہر سے جھانکا تو شہر تھا ہی نہیں

چلو تیز دشتِ جنوں کی ہواؤ
مری راہ میں اور کانٹے بچھاؤ

ہر آنسو کے قطرے کی عزت بچاؤ
ستارو! دمِ صبح یوں مسکراؤ

مجھے چاند تاروں سے مطلب نہیں ہے
مری خلوتِ دل میں شمعیں جلاؤ

ابھی بجلیوں کی تڑپ کو مٹا دو دل
ذرا آشیانے کے تنکے اٹھاؤ

۴۸

مری بے نیازی سے جو کام لیں
مری بے نیازی کے آگے نہ آؤ

ابھی دھڑکنیں تیز ہیں میرے دل کی
ابھی میری نظروں سے نظریں ملاؤ

زمانہ بھی رفتار اپنی بدل دے
مدارِ محبت پہ یوں گھوم جاؤ

مہلتِ زندگی رہنے والی نہیں ہے
ذرا زندگی کے قریب اور آؤ

○

مدت ہے دوں کی آگہی آؤ
ہے تمہاری بڑی کمی آؤ

ظلمتوں میں گھرا ہوا ہوں میں
آؤ پھر لے کے روشنی آؤ

کچھ تو کم ہو عذابِ تنہائی
دو گھڑی کے لیے سہی آؤ

مجھ کو سمجھاؤ زندگی کیا ہے
بن کے تم جانِ زندگی آؤ

○

آئینہ جب بھی سامنے آیا
میری نظر نے دھوکا کھایا

شعلے بھڑکے گلشن گلشن
جب آنچل ان کا لہرایا

تاباں تاباں اُن کا مکھڑا
ماہِ کامل بھی شرمایا!

آگے آگے شمعِ محبّت
پیچھے پیچھے غم کا سایا

ہے یہ مسلکِ انجامِ محبّت
خود کو کھو کر اُن کو پایا

○

جہانِ حسن کے اِک پیکرِ مکمل ہو
تمہی ہمارے ہو آخر تمہی تو اوّل ہو

وہ وقت آئے چمن کی فضا بدل جائے
خزاں کی لوٹ سے کوئی کلی نہ بے کل ہو

بہت بھلے ہیں جوابات آپ کے لیکن
ہمارے دل کے سوالات کا کوئی حل ہو

دل و نگاہ میں ہے سیلِ اشک کچھ ایسا
گھرا ہوا کوئی جیسے فلک پہ بادل ہو

کسی ولی کی وصیّت یہ یاد آتی ہے
سرِ مزار چراغاں ہو اور نہ صندل ہو

وہ کیا مزاج حسیناں کو موڑ سکتا ہے
کسی بشر میں اگر بے پناہ کس بل ہو

اسی کے سائے میں گزرے ہیں صبح و شام تلک
ہماری لاش کا پرچم بھی سرخ آنچل ہو

○

کچھ اس طرح سے یاد آ رہے ہو
پھر سامنے سے آ جا رہے ہو

میں ہوں شکارِ غم ہائے دوراں
یہ کیا عنایت فرما رہے ہو

ہونے لگا ہے احساسِ پستی
اتنی بلندی دکھلا رہے ہو

آسان سمجھتے ہو بھول جانا
کیا بھول جائیں یاد آ رہے ہو

ہم تو نہیں ہیں توبہ میں شامل
ساغر اُٹھاؤ، شرما رہے ہو

یہ سادگی شوق اللہ اللہ
محفل سجا کر اُٹھ جا رہے ہو

مرنے نہ دے گی رعنائی غم
کیوں اہل غم سے گھبرا رہے ہو

دیکھو تماشا ساحل پہ رہ کر
ہم ڈوبتے ہیں، تم جا رہے ہو

کیا ہے مَلک یہ وحشت تمہاری
کیا کھو گیا ہے، کیا پا رہے ہو

○

دل مکدّر، نظر فساد زدہ
ہوگیا گھر کا گھر فساد زدہ

رُوح پر مُردنی بھی چھائے گی
زندگی ہو اگر فساد زدہ

ڈھونڈتے ہیں سبیلِ نشو و نما
کتنے ہی نامور فساد زدہ

حسنِ صورت نظر نواز سہی
رنگِ سیرت مگر فساد زدہ

کوئی انصاف ہے نہ داد رسی
آج بے بس ہے ہر فساد زدہ

ہر جگہ مُفسدوں کی بدمستی
ہر جگہ معتبر فساد زدہ

لوگ لیتے ہیں امن کی سانسیں
پھر فضا کو نہ کر فساد زدہ

قاتلوں کو تمام چھُوٹ مِلی
چڑھ گئے دار پر فساد زدہ

گھر میں ہے جان و مال کو خطرہ
پھرتے ہیں در بدر فساد زدہ

اہلِ دانش تلک کہاں جائیں
فن دِکھاوا، ہُنر فساد زدہ

○

بس یہی اک وقت کا فرمان ہونا چاہیئے
ہو کسی مذہب کا، پر انسان ہونا چاہیئے

آپ کو جی جان سے چاہا ہے اتنا سوچ کر
جان دینے کے لیئے بھی جان ہونا چاہیئے

آپ سے ہٹ کر کوئی ارمان ہوتا ہی نہیں
آپ کہیئے کون سا ارمان ہونا چاہیئے

مسجدوں میں سجدہ کر لینے سے دل ڈھلتا نہیں
آدمی کو صاحبِ ایمان ہونا چاہیئے

آپ کے سارے ستم ہیں قدر کے قابل مگر
بے وفائی کا بھی اک احسان ہونا چاہیئے

کب تلک آخر ملک یہ آنسوؤں کا سلسلہ
ایک دن تو سرد یہ طوفان ہونا چاہیئے

محترم جناب محبوب حسین صاحب جگرؔ
جوائنٹ ایڈیٹر "سیاست" کی انچاس ۴۹ برس پہلے کی غزل سے متاثر ہوکر

تمہاری ہر خوشی پر مسکرائے
نہیں معلوم کتنے غم اٹھائے

نہ کھسکا شاخِ نازک سے نشیمن
کئی جھونکے ، کئی طوفان آئے

بھلا یہ بھی ہے کوئی مسکرانا
مری بربادیوں پر مسکرائے

غضب کی رہبروں نے رہزنی کی
کہ منزل تک پہنچ کر لوٹ آئے

گنہ در پیش ، استغفار جائز
کہاں تک آدمی دامن بچائے

ملک عمر آپ کی پائے طوالت
زباں پر نام تھا اور آپ آئے

○

آپ اگر محبّت کے ناز اُٹھا نہیں سکتے
کیا خلوص دل سے بھی دل دُکھا نہیں سکتے

وہ گِرا گِرا کر بھی پھر سنبھال لیتا ہے
ہم جسے گراتے ہیں پھر اُٹھا نہیں سکتے

مت ہماری حالت پر رحم کیجئے اِتنا
زہرِ غم کے مارے ہیں مُسکرا نہیں سکتے

رہبروں کی غفلت سے ایسے پا شکستہ ہیں
منزلیں بُلاتی ہیں اور جا نہیں سکتے

انتہائے وحشت میں زندگی کی راہوں سے
ہم جہاں جہاں گزرے آپ جا نہیں سکتے

عشرتوں کے یہ جلوے ٹھیک ہیں مَلِک لیکن
بخت کی سیاہی کو راس آ نہیں سکتے

○

آپ سے راحت دنیا ہے مجھے
اور کچھ بھی نہیں کہنا ہے مجھے

میں بہت دور کا اندازہ ہوں
کس نے نزدیک سے دیکھا ہے مجھے

ہوش کیوں نام نہ پوچھے میرا
بادہ نوشی کا سلیقہ ہے مجھے

میں تمنّا میں تری لُٹ جاؤں
بس یہی ایک تمنّا ہے مجھے

بے تعلق ہوں زمانے بھر سے
ربط وہ آپ سے گہرا ہے مجھے

غم پرستو! مری تعظیم کرو
غم نے ہاتھوں سے سنوارا ہے مجھے

کیا ہے احساس کی شدّت میری
ہر نیا درد بھی تکتا ہے مجھے

اے مَلِکِ ہجر کی تنہائی میں
چاند تاروں نے بھی لوٹا ہے مجھے

▲▲

ہر ذرّہ گلی کا تری رہ رہ کے پکارے
سچ یہ ہے کہ ہم مر کے بھی زندہ رہے پیارے

اک مجمعِ عشاق ترے پاس لگا ہے!
اطراف پھرے کوئی تو تن من کوئی وارے

یارب تری دنیا، یہ عجب ہے تری دنیا
پھولوں میں تلے کوئی، کوئی ہاتھ پسارے

اب اپنی زبان بند ہی رکھنا ہے مناسب
ہیں سامنے اخلاق کے، تہذیب کے مارے

مایوس نہ ہو تلخیٔ حالات سے اے دل
جب گردشیں بڑھتی ہیں بدلتے ہیں ستارے

جو دوست جتاتے ہیں اب اخلاص و محبّت
وہ دوست ہیں دراصل تمہارے نہ ہمارے

اِک حُسن بھی موجود ہے، اِک غم بھی ہے ظاہر
ہر شعر کو اِس طرح تلک کوئی نکھارے

کوئی سنتا نہ سمجھتا ہے خدا خیر کرے
دل کا افسانہ ادھورا ہے خدا خیر کرے

عاقبت کا جو زمانے کو سبق دیتا تھا
وہ بھی اب طالبِ دنیا ہے خدا خیر کرے

روشنی کی نظر آتی نہیں ہلکی سی کرن
دور تک ایک دھندلکا ہے خدا خیر کرے

جام پر جام چڑھانے لگے میکش پیہم
جانے کب کون بہکتا ہے خدا خیر کرے

ذکر کرتے ہیں شب و روز ہوس کار اس کا
عشق بازار کا سودا ہے خدا خیر کرے

اب ذرا گمرہیِ ہوش مدد میری مدد
ڈھونڈھنے وہ مجھے نکلا ہے خدا خیر کرے

دولت اک شے ہے مگر ظرف بدلنے والی
اِس سے اپنا بھی پرایا ہے خدا خیر کرے

○

آنکھ میں آنسو، لب پر نالے
دل کی دُنیا سوز جگا لے

تیری امانت کب تک سنبھالوں
لے دولتِ غم تیرے حوالے

ٹکتے نہیں ہیں پاؤں زمیں پر
اے دردِ منزل پاس بُلا لے

میرے حوالے کانٹوں کا جنگل
دامن بہ دامن پھولوں کے مالے

اے آرزوئے منزل دُہائی
رونے لگے ہیں پاؤں کے چھالے

اِک بار میرے نزدیک آکر
سو بار مجھ سے دامن چھُڑا لے

اپنی ہی محفل، اپنا اجارہ
کوئی بگاڑے، کوئی سنبھالے

دل سے نکل کے جا دُور لیکن
یاد نہ آنا بھولنے والے

○

سینے میں غم چھپائے سدا آپ خوش رہے
حیرت یہ ہے کہ کیسے بھلا آپ خوش رہے

اپنا دیا نہ رنگ کسی کو کسی طرح
سب سے مزاج کر کے جدا آپ خوش رہے

یہ بھی ستم ظریفیٔ حالات ہی تو ہے
میرا سکونِ قلب لٹا آپ خوش رہے

اس میں کہاں تھی نغمہ و لے کی کوئی ادا
لے کر شکستہ سازِ وفا آپ خوش رہے

دنیا سے جی لگانا تقاضائے وقت تھا
لیکن بہ فیضِ جود و سخا آپ خوش رہے

ہم غمزدہ سہی ہمیں اس کی خبر نہ تھی
لیکن ہمیں تھا اِس کا پتہ آپ خوش رہے

جو کچھ تِلک پہ بیت گئی بیت ہی گئی
اُس کو تباہ کر کے بھی کیا آپ خوش رہے

○

مومن کی شان یہ ہے مجاہد بھی بن رہے
شمشیر ہاتھ میں رہے، سر پر کفن رہے

میں میں ہوں، آپ آپ ہیں رہنے بھی دیجئے
چال آپ کی چلوں تو نہ میرا چلن رہے

اہلِ چمن سے پوچھیے کچھ اس کا حال بھی
ہم بجلیوں کی چھاؤں میں کتنے مگن رہے

خود زندگی بھی ناز کرے اپنے آپ پر
اتنا تو زندگی میں مرے بانکپن رہے

سب رائیگاں ہے سادہ دِلی کا مظاہرہ
فطرت میں دوستوں کی اگر مکر و فن رہے

حسنِ عمل ہی صرف ہے سامانِ جاوداں
دنیا رہے، حیات رہے اور نہ دھن رہے

حبِّ وطن سے زیستا جو معمور ہے مِلک
اپنا مزار بھی سرِ خاکِ وطن رہے

○

خاص جینے کی اک ادا رکھیے
صاف سیدھا چلن روا رکھیے

ہوش مندی سے واسطہ رکھیے
اپنے معیار کو بڑا رکھیے

دشمنی ہو تو احتیاط اچھی
دوستی ہو تو فاصلہ رکھیے

آن کو پانی ہوا سے کیا مطلب
سوکھے پیڑوں کو کیا ہرا رکھیے

خط مِلا اُس بہارِ پیکر کا
خوشبوؤں میں اُسے بسا رکھیے

غم نہیں مِلتا ناتوانوں کو
غم اُٹھانے کا حوصلہ رکھیے

ہم غریبوں کے حال میں شامل
کم سے کم آپ کی دُعا رکھیے

اے مَلِکؔ کون جانے آ جائے
دل کے دروازے کو کھُلا رکھیے

رعبِ حُسن آپ کا وہ زود اثر لگتا ہے
بات کہتے ہوئے دل کی مجھے ڈر لگتا ہے

آرزو ہے کوئی اس میں، نہ تمنّا اس میں
دل یہ کیا ہے کوئی سنسان کھنڈر لگتا ہے

آپ کی یاد نہیں چین سے سونے دیتی
آپ آجاتے ہیں تکیے سے جو سر لگتا ہے

منع کیوں کرتے ہو گھر آنے سے اپنے آخر
ذہن کے سارے دریچوں سے یہ در لگتا ہے

یہ مرا دل ہے کہ ہمدم! کوئی بنجر صحرا
پھول اِس شاخ پہ لگتا، نہ ثمر لگتا ہے

آپ کے در پہ کوئی آکے کھڑا ہے کب سے
دیکھئے یہ کوئی محتاج نظر لگتا ہے

باندھ کر چلئے عدم توشۂ اعمال ملک
ہر سفر کے لیے سامانِ سفر لگتا ہے

نہ دوستی میں نہ گھر میں خلوص ملتا ہے
کسی کسی کی نظر میں خلوص ملتا ہے

تمام خطے سے سکونِ دلی نہیں ملتا
بس اک حسین سطر میں خلوص ملتا ہے

سمجھ میں آئی نہ ہرگز تمہاری پہلی نظر
نگاہِ بارِ دِگر میں خلوص ملتا ہے

عجیب ہے یہ کرشمہ خدا کی قدرت کا
کہ ایک صاحبِ زر میں خلوص ملتا ہے

اسی لئے تو یہیں پر رہی سارے دلِ اپنے
تمہاری راہ گزر میں خلوص ملتا ہے

پسند آئی نہ اہلِ خرد کی دانائی!
جنونِ خاک بسر میں خلوص ملتا ہے

فلک ہمارا گزر بھی تو اس جگہ ہوگا
جہاں بھی اہلِ ہنر میں خلوص ملتا ہے

نذرِ مخدوم

کم نہیں ہوتا خدا سے جو عطا ہوتا ہے
کس کا احسان کسی کے لیے کیا ہوتا ہے

اس کے مرجھانے کو انسان نہیں سہہ سکتا
پھول کے کھِلنے کا انداز بھلا ہوتا ہے

کوئی انجام عمل سے نہیں ہوتا واقف
فیصلہ وقت کے ماتھے پہ لکھا ہوتا ہے

یاد میری بھی کسی طور سے آتی ہوگی
تیری محفل کا جہاں رنگ جما ہوتا ہے

غم اٹھانے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں
یہ فریضہ بڑی مشکل سے ادا ہوتا ہے

پڑھنے والے نہیں یہ بات الگ ہے لیکن
درد کا حال تو چہرے پہ لکھا ہوتا ہے

دل بچانے کی کوئی بات نہیں بن سکتی
یہ گرفتار تو بے جرم و خطا ہوتا ہے

○

سامنے کھُل کر آ ہی گیا ہے
کس کس کی فطرت میں وفا ہے

شاخ پہ کوئی غنچہ کھِلا ہے
پھول مگر کیوں کانپ رہا ہے

اپنے مرض کی جان سے نسبت
کوئی مسیحا ہے، نہ دوا ہے

دل کا ہمارے حال نہ پوچھو
شہر تو ہے ویران پڑا ہے

دیکھئے دھو کر دل کی سیاہی
نور میں اِک اِک شعر ڈھلا ہے

ہم پہ ہیں وہ کچھ روز سے برہم
جرمِ محبّت کی یہ سزا ہے

اپنے ہی قد کو جس نے نہ سمجھا
فن کو فلک کے ناپ رہا ہے

وفا کا امتحاں اب آچکا ہے
یہ جان و دل کا میرے مرحلہ ہے

کوئی بچھڑے، کوئی آنسو بہائے
محبّت میں یہی دیکھا گیا ہے

ابھی ہیں مرحلے کچھ امتحاں کے
شکستِ دل کی یہ پہلی صدا ہے

خوشی ہو، غم ہو، یا رنج و مسرّت
مجھے جو کچھ مِلا تجھ سے مِلا ہے

زمانہ پَل میں اک کروٹ بدل کر
تماشے نِت نئے دِکھلا رہا ہے

نہیں رہبر ترا احسان لینا
مرا رستہ الگ، منزل جُدا ہے

مَلِک جائیں کہاں اب پاک باطن
ہَوس پرور زمانے کی فضا ہے

روش ہماری کہاں اور کدھر زمانہ ہے
ہمیں بُرے ہیں بہت معتبر زمانہ ہے

قدم قدم پہ فریب اور قدم قدم دھوکے
سنبھل کے چلیے بہت پُر خطر زمانہ ہے

اسی لیے تو بصد احتیاط جیتے ہیں
ڈرے ہوئے ہیں ذرا ہم نڈر زمانہ ہے

ہزار مرتے ہیں دُنیا میں چلتی ہے دُنیا
نہ کوئی فرق نہ زیر و زبر زمانہ ہے

بھلائی کا بھی کوئی نقش چھوڑتے جاؤ
کہ زندگی کا تو اک مختصر زمانہ ہے

حیات لے سکے جس میں سکون کی سانسیں
ابھی کہاں، وہ ابھی دُور تر زمانہ ہے

کِلک لیاقتِ حاصل دکھاؤگے کس کو؟
کہ اب دشمنِ اہلِ ہنر زمانہ ہے

جہاں کہیں یہ بھی ذکر بہار آیا ہے
ترا خیال مجھے بار بار آیا ہے

دیئے ہیں جس نے ہر اک گام پہ فریب نئے
عجیب بات ہے اُس پر ہی پیار آیا ہے

نظر اُٹھا کے اُدھر دیکھ محو بزم طرب
بڑی خوشی سے ترا سوگوار آیا ہے

خمار تشنگیٔ زیست ہی سہی لیکن
حضور ساقیٔ محفل خمار آیا ہے

قدم قدم پہ جو جلتے ہیں آنسوؤں کے چراغ
ترا خیال سرِ رہگذار آیا ہے

تمہیں بھلانے کی کوشش بھی کر نہیں سکتا
کہ تم پہ دل بھی تو بے اختیار آیا ہے

بہاروں کے بھی قدم لڑکھڑا رہے ہیں تلک
وہ شوخ کر کے جو سولہ سنگھار آیا ہے

سکوں زاہد کو اب پیہم نہیں ہے
ترے پازیب کی چھم چھم نہیں ہے

امانت کی طرح رکھوں گا دل میں
ترا غم ہے، یہ میرا غم نہیں ہے

کہاں جاتے ہیں سارے دم کے ساتھی
دمِ آخر کوئی ہمدم نہیں ہے

یہ منظر کیا پسِ منظر بھی دیکھے
نظر کا ایک ہی عالم نہیں ہے

ذرا سہہ لو تو میٹھی بھی بنے گی
زباں کڑوی ہے لیکن سم نہیں ہے

مسافر کیوں نہیں بڑھتے ہیں آگے
عزائم میں تو زیر و بم نہیں ہے

تک دُنیا کو پھر بھی دیکھتا ہوں
مرے قبضے میں جامِ جم نہیں ہے

○

کیا نام دوں تجھ کو یہ مجھے فکر پڑی ہے
ہر تازہ ہوا نام ترا پوچھ بڑی ہے

منزل کا کوئی خوف ، نہ غزل کی کمی ہے
ہم جس جگہ پہنچے ہیں نئی راہ بنتی ہے

دیوانے ہوئے جاتے ہیں ہم دیکھ کے اس کو
شاید ترے چہرے میں کوئی بات نئی ہے

افلاس کی ، نکبت کی ، شر و شور کی ، غم کی
جیتا ہوں میں جس میں بڑی بدنام صدی ہے

سرتا بہ قدم دیکھئے ہستی بھی ہے پیاسی
کیا خشک لبوں تک ہی فقط تشنہ لبی ہے

آپ اپنے سے انصاف بھی ہم کر نہیں سکتے
استحقاقِ تملک ہم میں کمی ہے تو یہی ہے

ہیں لوگ یہاں کے تو بڑے گھاگ مرے بھائی
اس شہر سے اب دور کہیں بھاگ مرے بھائی

چھوڑیں گے نہ تجھ کو ترے احساس کے شعلے
یوں غیر کے گھر کو نہ لگا آگ مرے بھائی

یہ تک نہ کہا تجھ سے ہے کس درجہ لگاوٹ
اس باب میں ہم کتنے ہیں بے لاگ مرے بھائی

جب وصل کے لمحوں میں تجھے ہوش نہ آیا
اب ہجر کی راتیں ہیں تو پھر جاگ مرے بھائی

دو گھونٹ بھی مشکل سے اُتارے ہیں ملک نے
بوتل کو لگاتا نہ ابھی کاگ مرے بھائی

○

تابِ گویائی گئی ، طاقتِ دیدار گری
تو نہ آیا تو بہت حالتِ بیمار گری

گھر مرا صرف دُعاؤں کے تصدّق سے بچا
کڑکڑاتی ہوئی بجلی پسِ دیوار گری

فائدہ مند ہوا خود مرا برسوں کا سکوت
میرا کچھ بھی نہ گیا عزّتِ اغیار گری

ہوش قاتل کے اُڑے آہ سے مظلوموں کی
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے جو تلوار گری

سامنے مرے گرے جاہلِ مطلق کتنے
میں گرا اور نہ مری قیمتِ اشعار گری

نسلِ نو کے ہوئے گمراہ خیالات مُلک
آج کے دَور میں ہر وضعِ طرحدار گری

اب جو میخانے سے نسبت ہوگئی
میکشی بڑھ کر سعادت ہوگئی

آپ بے کھٹکے مصیبت لائیے
اب تو غم سہنے کی عادت ہوگئی

لوگ کرتے ہیں مرا ہی تذکرہ
محترم تیری عداوت ہوگئی

آپ کا اِک عکس جلوہ مرحبا!
آئینے کو آج حیرت ہوگئی

جیتے جی آیا نہ جینے کا مزہ
موت اک زندہ حقیقت ہوگئی

مسکرا کر آپ نے دیکھا مجھے
آج کچھ جینے کی صورت ہوگئی

دل تڑپنے کا بہانہ تھا تملک
خود وہ آ پہنچے کرامت ہوگئی

... وقارِ سرسیّد

بے خزاں ہے بہارِ سرسیّد
آج تک ہے وقارِ سرسیّد
ناز کرتی ہے لیلیٰ اردو
محسنوں میں شمارِ سرسیّد
نام ان کا ہے ساری دنیا میں
ساری دُنیا دیارِ سرسیّد
ہٹ سکیں گی نہ معتبر آنکھیں
زندہ ہے اعتبارِ سرسیّد
قوم و ملّت کی پاسبانی کو
مضطرب تھا قرارِ سرسیّد
کون تھا جو نہیں تھا گرویدہ
تھی فضا سازگارِ سرسیّد
گلشنِ ہند میں چہکتا تھا
عندلیب وقارِ سرسیّد

سب بصدِ اشتیاق پڑھتے تھے
تھا گزٹ شاہکارِ سرسیّد
یاد آئے گا اہلِ دانش کو
کون بھولے گا کارِ سرسیّد
اے تلک کیا دماغ تھا اُن کا
علم و حکمت نثارِ سرسیّد ۵۵

ہمسفر کے نام

آنکھ آنکھ آرزو
بات، فکر، زندگی
جس میں ڈوبتا گیا
سفر، تھکن، نشاط، قرب
فاصلوں کی تشنگی ــــ
نظر نظر میں آرزو کے ریشمی سے پھول
گفتگو کی لہر مسکراہٹیں
مسافتوں کے درمیاں رفاقتوں کے سلسلے
اشارۃً، کنایتہً
دل سے دل کی قربتیں
وہ حادثہ جو اتنا خوشگوار تھا
تیرگی کی راہ میں مرا وجود بن گیا ۵۸

آہ مولانا آزاد

وہ مولانا جمالِ حق
وہ آزاد خیالِ حق
جنھیں ذہن ونگاہ و فکر کی کامل ضیاء کہیئے
جنھیں اک جنگِ آزادی کا سچّا رہنما کہیئے
جہاں تھا علم بے مایہ
کلام بوالکلام آیا
جہاں بیچارگی تھی اُس جگہ غم تھا خدائی کا
سیاست سے الگ کردار تھا خود آشنائی کا
مگر سب سے جدا تھے وہ
بڑے باحوصلہ تھے وہ
رکاوٹ پائی جب صدق و صفا کی تنگ راہوں پر
تو کچھ صفحات بعد از مرگ کھولے کم نگاہوں پر
حقیقت ہوگئی ششدر
وہ گوشے آئے منظر پر
کہاں جمہوریت گم تھی، کہاں گُن نازیت کے تھے
اُٹھے سب یک بیک جتنے بھی پردے مصلحت کے
وہ اہلِ فکر تھے آن تھک
وہ فخرِ ہند تھے بے شک

دُعا

(اقبالؔ حرف و معنی کی دُعا)

اس کی نوا تہذیبِ عصر
اس کا سخن ظلمت میں جیسے روشنی
ذہنِ رسا انسانیت کی سربلندی
فلسفہ رمزِ خودی حُسنِ عمل
آگہی، پرواز، ہفت افلاک آدم کا سفر
اقبالؔ مشرق کا اثاثہ
صبح کی شفاف کرنوں کی مہک
زندگی، تابندگی، رقصندگی
روشنی ہی روشنی، انسانیت کی تازگی
اس صدی سے تا صدی وہ حرف و معنیٰ کی دُعا

▲▲

آہ! فیض...

فیضؔ اپنے کسی درد کو بے فیض سمجھ کر
آہستہ سے چیخا تو جہاں کانپ اُٹھا تھا

آواز عجب تھی!
خود فکر و نظر ڈھونڈنے نکلے وہ صدا تھی
کیا ذہن تھا، کیا بات تھی، کیا طرزِ ادا تھی
پُر جوشِ جنوں تھا

رودادِ شبِ ہجر کی یا وصل کا قصّہ
ہنسنے کا ہو کوئی باب کہ غم کا کوئی حصّہ
سمجھایا سلجھ کر

اُلجھا ہوا اِک شخص زمانے کی فضا سے
شیرینی کھرچتا ہوا ہر تلخ دوا سے
گھر میں بھی تھا بے گھر

آزاد منش ہو کے بھی وہ شخص تھا پابند
شہرت کی ہوا راس، زمانے کی ہوا بند

اب ہم میں نہیں وہ!
لیکن ابھی دنیا میں شب و روز ہیں جب تک
اس شخص کا نام اور لیا جائے گا تب تک

قرۃ العین حیدر کے نام

(گیان پیٹھ ایوارڈ ملنے پر)

باعثِ افتخارِ ملّت ہے
قرۃ العین، عینِ عظمت ہے

صلۂ سعیٔ کامیاب ملا
گیان پیٹھ آپ کو خطاب ملا

ہند سے بڑھ کے تا بہ برّ صغیر
آپ کی شہرتیں ہیں عالم گیر

تجربہ واقفِ نشیب و فراز
ناولوں میں ہے منفرد انداز

علم و دانش کے نامور جلگے
دیر سے ہی سہی مگر جاگے

تھا قلم کب سے برسرِ پیکار
جہدِ پیہم نہیں گیا بیکار

جب نہ تحریر کا فسوں جاگا
سامنے آیا "آگ کا دریا"

تھہ اثر تھا سفینۂ غمِ دل،
باہر آیا خزینۂ غمِ دل

کوئی ناول ہو، کوئی افسانہ،
ہے عیاں شوکت ادیبانہ
یہ پذیرائی تھی قرینِ یقیں
کارنامے ہیں لائقِ تحسیں!

۸۸

خواب کا دھندلکا

وہ شب بھی تھی کتنی سہانی
حسن سراپا
غزالہ آنکھیں / بلوریں گردن
مہکتے شانے
چال قیامت
جھانجھن کی لے
کانوں کی سنگیت کا جادو
گھول رہی تھی
دل کی رگ رگ جھوم رہی تھی
لیکن جس دم میں نے اپنی
آنکھیں کھولیں —!
کمرے میں ہر سمت دھواں تھا
بس سناٹا اونگھ رہا تھا
کاش میں خواب ہی دیکھا کرتا —!!

۸۸

وہ کہاں کھو گیا؟

(مخدوم محی الدین کی یاد میں ...)

نیک خُو، بامروّت، جیالا، نڈر
شاعرِ خوش بیاں، قائدِ با اثر
چہرہ نورِ صداقت سے کِھلتا ہوا
اک تبسّم، تکلّم سے ملتا ہوا
زندگی کو سمجھتا تھا وہ نکتہ داں
موتیوں کی لڑی، رنگِ گُل کا بیاں
دردِ ماحول اُس سے نہ پوشیدہ تھا
وضعدار و ملنسار و سنجیدہ تھا
زندگی تھی کہ ایثار کی داستاں
نام مخدومؔ، خدمت گزارِ جہاں
چاند تاروں کے بن میں کہاں کھو گیا
یا چنبیلی کے منڈوے تلے سو گیا

آہ وہ شاذ کہاں؟

(شاذ تمکنت کی یاد میں....)

شاذ وہ شاذ کہاں
وہ نقیبِ غمِ جاں
وضع میں خاص، تب و تاب میں یکتا انساں
زیست کے موڑ پہ چپ چاپ سا ٹھیرا انساں
حاملِ جذب و اثر
موجِ در موجِ نظر
شاذ وہ شاذ جسے بزم سے گھن آتی تھی
شاذ وہ شاذ جسے دُور کی شئے بھاتی تھی
قابلِ مدح و ثنا
اک انا پیشِ انا!
کوئی ناٹک، نہ ڈراما، نہ کوئی تھی وہ فلم
ایک مینارۂ علم، ایک نمائندۂ حلم
اُس کو جانا نہ کوئی
اُس کو سمجھا نہ کوئی
اُس نے وہ نقش بنائے ہیں کہ مٹنا مشکل
اور مٹ جائیں گے شاہین کا پٹنا مشکل
لائقِ غور تھا، وہ
آپ اِک دور تھا وہ

اپنی شیرینیٔ فطرت کو بھی زہراب کیا
غرقِ مئے ہو کے ہر اک درد کو غرقاب کیا
ڈھونڈھ بد بخت جہاں
آہ! وہ شاذ کہاں

عید اور مسائل

عید، بادِ صبا، چاندنی، نغمگی
روزہ داروں کے حق میں دُعا، سرخوشی
رحمت بیکراں
اور جب اس کا مفہوم بدلا گیا
ہر دفعہ عید پہ
لوگ اُلجھے ملے، مضمحل، غم زدہ
یوں خوشی میں غموں کی ملاوٹ ہوئی
عید نزدیک آ گئی جس گھڑی
قلب اور ذہن کو اِک تھکاوٹ ہوئی
خواہشوں نے نچوڑا ہے ایمان کو!
روح کی تازگی بے صدا ہو گئی
اور پھر عید اِک مسئلہ ہو گئی

آہ خواجہ احمد عباسؔ!

یہ کون آیا ہے یادوں تک
یہ کس کا ذکر نکلا ہے
وہ بحرِ علم و دانش کا گہر تھا
جسے کھویا ہے ہم نے
اُسے پابندیاں، حد بندیاں بے چین کرتی تھیں
بہاریں اس کے طرزِ فکر میں سو رنگ بھرتی تھیں
وہ اک جادو جگاتا تھا
نگارش جس پہ حیراں تھی
اُسے ہم خواجۂ عباس کہہ کر نام لیتے تھے
وہ تھا اک پیکرِ عظمت
وہ تھا اک ملک کی دولت
اُسے ہر شعبۂ صنفِ ادب سے آشنائی تھی
کہانی، ناول، افسانوں، سے فلموں تک رسائی تھی
قلم آزاد تھا جس کا
نظر بے لوث تھی جس کی
وہ ہم میں اب نہیں لیکن اُسے ہم یاد رکھیں گے
ادب کے باغباں اس کو سدا آباد رکھیں گے

ھھ

رہے گا رنگ میخانہ جہاں تک نام ساقی ہے
دعائیں ساتھ ہوں تو زندگی آگے بھی باقی ہے
اندھیرے آئیں جائیں گے
سویرے جگمگائیں گے

○

قطعہ

شری راج بہادر گوڑ کی نذر ...
(بہادر شاہ ظفر ایوارڈ ملنے پر)

ظفر ایوارڈ دیا عزّ و جاہ و منصب نے
بہادری سے کیا راج گوڑ صاحب نے
کمالِ حُسن ہزاروں دلوں کو موہ لیا
ادب کی خدمت و شائستگی کے اک ڈھب نے

تحسین و آفرین دلیپ کمار

(پدما بھوشن کا خطاب ملنے پر...)

یہ حسنِ ذوقِ سفر، بے پناہ یہ آغاز
'جوار بھاٹا' سے 'میلہ'، 'شہید' اور 'انداز'
'انوکھا پیار' سے 'دیدار' و 'آن' تک پہنچا
ہر ایک فلم نئی آن بان تک پہنچا
یہ انتہائے جمال و جلال آگاہی،
ہر ایک رول میں جذبات کی شہنشاہی،
دلیپ عظمتِ شائستگی کا حامی ہے
کہ ایکٹنگ میں کچھ عیب ہے نہ خامی ہے
دلیپ درد کو ظاہر کرے تو ہو حیرت
دلیپ غم جو دکھائے تو رو پڑے فطرت
دلیپ وضع میں منہ بولتی حقیقت ہے
دلیپ یوسفِ ثانی ہے خوبصورت ہے
نہ سادگی میں دکھاوا نہ بانکپن میں کمی
لباس و رنگ و وجاہت میں بے گماں خوبی

نظر ملے تو نظر دیکھتی ہی رہ جائے
زباں سے پھول جھڑیں گفتگو پہ جب آئے
اک امتیاز نمایاں ہے فطرتی فن سے
صلاحیت ہے بڑی جس کی ڈائرکشن سے
مقدرات ستاروں سے بڑھ کر ہیں روشن
اِسی لیئے تو یہ رُتبہ مِلا پدم بھوشن

دھواں دھواں نقشے

غریب لوگ، سخی ہاتھ، بے طلب آنکھیں
بُجھے بُجھے کئی منظر
دھواں دھواں نقشے
سڑک پہ رینگتے سائے تلاش کرتے ہیں
برہنہ جسم اُداسی کا پیرہن اوڑھے ۔۔!
اماں مِلے تو یہ کشکول بیچ دیں اپنا
کوئی بتائے کدھر ہے فقیہہِ شہرِ ستم

آہ نرگس

"زینہ بہ زینہ سیرتِ زن کھولتی گئی"

بلبل اُداس اُداس، چمن ہوش کھوئے ہے
نرگس کے غم میں نرگسِ شہلا بھی روئے ہے
نرگس تھی سوز و ساز کی لَے اور تان تھی
نرگس تھی گھر کی آن بھی، فلموں کی جان تھی
نرگس وطن پرست و وطن دوست رہنما
نرگس ادا شناش و اداکار و پُر ادا
"تقدیر" بن گئی تو گُل "آرزو" کھِلا
محبوب کو خود اپنی تجسّس کا پھل مِلا
بامِ عروج مل گیا "برسات" کیا بنی!
ہلچل سی مچ گئی جو "مدر انڈیا" بنی!!
اک ایک فلم عظمتِ فن کھولتی گئی!
زینہ بہ زینہ سیرتِ فن کھولتی گئی!
نرگس کا اک وجود تھا بے مثل و بے بدل
نرگس سُنیل دت کے تھی خوابوں کا اک محل
انساں کے دسترس میں نہیں موت کا چلن
موڑا نہ جس نے خدمتِ اہلِ وطن سے مُنہ
اُس نے پھرا لیا ہے خود اپنے چمن سے مُنہ

نغمہ زندہ ہے...

(بیگم اختر کی یاد میں)

وہ نغمہ زندگی نے جس کو چاہا
اب بھی زندہ ہے
صدا کی روشنی تابندگی کا اک تسلسل ہے
اسے احساس کے زینے پہ اب بھی جاوداں دیکھو
ترنّم، نغمگی، لہجہ، گھلاوٹ
صنوبر کی سنہری شام
جھرنوں کا تبسّم
بہاروں کی سبک گامی
اِسے تنہا سلگتی شام میں دل کے قریں پاؤ
وہ نغمہ مر نہیں سکتا، وہ نغمہ اب بھی زندہ ہے
وہ نغمہ زندگی نے جس کو چاہا کل بھی تابندہ رہے گا۔

شب کی باہوں میں

ایک غم ناک شب
تیرگی کے غباروں میں لپٹی ہوئی
ہر طرف موت کا ایک
سنّاٹا پھیلا رہی تھی
راستے سو چکے تھے
قہقہے جاگتے تھے
اور فٹ پاتھ پر ـــــ
سرد بے جان ڈھانچے
کپکپاتے ہوئے
نیند کو اپنی آواز
دینے سے سہمے ہوئے تھے ـ!!
تیرگی اپنے کالے ہیں
دھوئیں میں اَن گنت زخم رِستے
ہوئے ڈھانپنے بڑھ رہی تھی
میں ـــــ مگر

اک فلک بوس عمارت کی کھڑکی
سے چھنتی ہوئی روشنی تک رہا تھا
اک شگفتہ کلی ——
اپنے بھونرے کی باہوں میں سمٹی ہوئی تھی
ایسے کتنے ہی بھونرے ملے
رات ڈھلنے سے پہلے
جو غنچوں کا رس چوستے تھے

▲▲

سایہ

کچے مکانوں والا وہ چھوٹا سا محلہ
نحیف دیواروں کا مکان
ہر لمحہ خاموشی
کوئی چراغ جلتا ہے نہ بجھتا

ہاں ——!!
قدموں کی مدھم چاپ سنی
ایک پُراسرار سایہ ہر قدم منڈلائے
درد بھرا اک گیت سنائے
وہ سایہ ——!!!

▲▲

کشکول

یخ زدہ سرد ماحول میں
ایک وحشت نمایاں ہے فٹ پاتھ پر
جس کے ہاتھوں میں کشکول
بے نور آنکھوں میں اُلجھن کی رَو
تشنگی بے سمندر ـــــ!
بے بصر سماعتیں
رُت جو مہکے تو صحرا میں بھی گلنار ہو
روشنی اور پھیلے سویرا لگے ـــــ!!

احساس

سرد ماحول سے
وحشت سی ہو رہی ہے
فٹ پاتھ کی عریانیت
کھڑی بھیک مانگ رہی ہے
اور وہ ـــــ
احساس کے دروازے پر
کھڑا اونگھ رہا ہے

کرب واحساس

کرب کیا چیز ہے
احساس کسے کہتے ہیں
میں نے اک پھول کی پتّوں کو چٹخنے دیکھا
کچھ پرندوں کو کہیں سر کو پٹخنے دیکھا
آس میں یاس بھی ہے
بوند بھر پیاس بھی ہے
پھولتے پھلتے چمن میں بھی نہیں رنگِ چمن
بڑھنے دیتی نہیں مایوس مسافر کی تھکن
کچھ سکوں ہے نہ کمک
بس تغیّر کی کسک
ایک انساں کئی صدیوں کو نہیں سہہ سکتا
خون رگ رگ سے برسے بھی تو نہیں کہہ سکتا
پھر کوئی حل بھی نہیں
زندگی گم ہے کہیں
جب بھی شنوائی نہ ہو حشر یہ ہو جاتا ہے
اضطراب اپنا کفن اوڑھ کے سو جاتا ہے

کوئی گوہر نہ صدف
بحر ہیں چار طرف
کتنے دل پیکرِ ہستی میں نہیں ڈھلتے ہیں
کرب و احساس اگر مل کے نہیں چلتے ہیں

▲▲

تمنّا کا فسانہ...

حالات کے پتھراؤ میں آنچل نہ پھٹے
اخلاص نہ رسوا ہو، رفاقت نہ چھٹے
جب تیری گلی سے میں گزرتا ہوں تو اکثر
یہ سوچ کے غمگین ہوا جاتا ہوں
لوگوں میں شرافت نہ مہک پیار نہ خوشبو
ہر چہرہ کسی چہرے کا اک قرض ہو جیسے
حالات بدل جائیں، شفا پائے زمانہ
تاریخ لکھے پھر سے تمنّا کا فسانہ

▲▲

نیلام

سورج کی کرنوں
میں ہردم ۔۔۔!
تاریکی کی لہریں ہوں گی
خوشبو کی دہلیز پہ پگ پگ
رقصاں غم کے سائے ہوں گے
جب تک کالے بھوت ہیں زندہ
جسموں کا نیلام رہے گا
کام یہ صبح و شام رہے گا۔۔۔!!

نیا سال

زمیں کی چیخ سے
انسانوں کے دل دہل گئے
چیخ میں!
اک التجا، اک کرب، اک اشارہ تھا
ابھی وقت ہے۔۔!!
گناہوں سے توبہ کر لو
اور پھر۔۔۔!!!
نئے سال کا استقبال کرو۔۔!!!

مزدور

(یکم مئی کے موقع پر)

یہ کوئی عیش و طرب اور نہ سکون و راحت
تیری تقدیر میں لکھی ہے مسلسل محنت
یہ کڑی دھوپ میں تپتی ہوئی اَن تھک شکتی
کبھی دو وقت کی روٹی بھی نہیں مل سکتی
محل تعمیر کرے خون پسینہ دے کر
رات دن کام کرے چند ٹکے لے کر
وقت کیسا ہی ہو، کتنے ہی ہوں حالات کڑے
زندگانی کی لڑائی کو خموشی سے لڑے
یہ وہ انساں ہے جسے بے بس و مجبور کہیں
دور ہو جس سے مزا ہم اسے مزدور کہیں

میرا ہندوستان

ترقی کی نئی راہوں پہ خندہ زن
محبت اور محنت کے پیامی
سویرے کے مسافر
امنِ عالم اپنا مسلک اور ایماں
ہمیں گاندھی نے اور نہرو نے وہ راہیں
دکھائی ہیں
کہ جن راہوں پہ ہر دم قافلہ صبحِ بہاراں کا
چلا کرتا ہے خرّم شادماں دانش کی منزل تک
مرا ہندوستان
روئے نگارِ بزمِ ہستی ہے
مرا ہندوستان — !!!
سچ مچ ہمالہ کی بلندی ہے۔

ایکا

گیت اب
جشنِ جمہور
ایک ہو کر
اپنی منزل پہ آ پہنچے
بیڑیاں کٹ گئیں غلامی کی
بدلیاں چھٹ گئیں غلامی کی
جگمگایا جو وقت کا سورج
ظلمتیں ہٹ گئیں غلامی کی
ہم نہیں اب کسی طرح محتاج
سامراجی گئے، ہے اپنا راج
مل ملا کر چلیں، بڑھیں آگے
اپنے ہاتھوں ہے ہند کی اب لاج
ہم ہیں بھارت کے نامور فرزند
ہم ہیں دستورِ ہند کے پابند
ہم کو رہنا ہے متحد ہو کر!
ہم ہی کھائیں گے پیار کی سوگند

اَمر نہرُو، اَمر طاقت

(صد سالہ صدی کے موقع پر۔۔۔۔)

وقارِ عزم بے پایاں
شکوہِ ہوسِ انسانی
وہ تھا ذہنِ رسا کا اک مجاہد
وہ نہرو
وہ نہرو جس نے آزادی کے سارے بھید سمجھائے
وہ نہرو جس نے انگریزوں کے تار و پود بکھرائے
وہی نہرو جیالا تھا
اُجالا ہند کے تٹ کا
جسے تاریخ صدیوں بھولنا چاہے نہ بھولے گی
یہ اک روشن حقیقت ہے
یہ اک ظاہر صداقت ہے
نشانِ راہِ منزل کا تعین کر دیا اُس نے
نئے بھارت کے تن میں اک نیا دم بھر دیا اُس نے
اَمر یہ شان، یہ عظمت
اَمر نہرو، اَمر طاقت

اَمر ہے اِندرا...

یہ سب ذہنوں کے مُفلس ہیں
یہ اُلٹی سوچ کے انساں!
جو قتل و خون کر کے سینہ تانے
سمجھتے ہیں
کہ ہم نے اِس کو، اُس کو اس جہاں سے ہی ہٹا ڈالا
اک افسانے کو آگے بڑھنے سے پہلے مٹا ڈالا
مگر یہ عقل کے اندھے
یہ دشمن ہوش و دانش کے
شعورِ پختہ سے گزرے ہوئے، ادراک سے عاری
اُنھیں یہ کون بتلایئے
اُنھیں یہ کون سمجھائے
مقامِ عظمت و شوکت کسی کا کھو نہیں سکتا
کہ اک کردار ستھرا قتل ہرگز ہو نہیں سکتا
نہ جیب و آستیں تر کر
اَمر ہے اندرا مر کر

اَمر ہے راجیو گاندھی

کسی سے کون کمتر، کیا تفوّق
الکشن کا تشدّد سے تعلق؟
سبق جمہوریت کا ہے یہ ناداں
جو دل جیتے وہی ہے مردِ میداں
یہ ننگ آبرو احساس پستی
حصولِ اقتدار اور اتنی مستی
چلے گی قتل و خوں کی کب سیاست
عوام اس کی نہیں دیں گے اجازت
فریب و مکر کب چلتا ہے اتنا
نِراج و راج میں ہے فرق کتنا
عناصر ہوں تو پھر سے جڑ سکے گی
صداقت کی نہ گردن اڑ سکے گی
جھلس کر جسم کو پگھلا رہے گا
مگر کردار کا ڈھانچہ رہے گا
اب آگے اک نئے طوفاں کا ڈر ہے
امر ہے راجیو گاندھی امر ہے

مرحبا پی۔سی۔سرکار (جونیئر)

سحر سرکار اتنے کس بل کا
زور بنگال پر پڑ گیا ہلکا
ذکر اُن کا ہے ذکرِ پیہم میں
نام اُن کا ہے سارے عالم میں
یہ کمالات وہ دِکھاتے ہیں
ہوش مندوں کے ہوش جاتے ہیں
ایک سے ایک لاجواب ایٹم
کہیئے ایٹم انہیں کہ ایٹم بم
اُن کے والد تھے سینئر سرکار
جن سے فن سیکھ کر ہوئے تیار
فن ہے اور فن کے ساتھ ٹکنک بھی
رقص بھی، روشنی بھی، میوزک بھی
پی۔سی۔سرکار امتیاز ہیں جب
او۔ڈی۔کھنّہ کا اہتمام ہے سب
جے شری اہلیہ ہیں گھر میں بھی
ہیں شریک سفر ہنر میں بھی

منیکا، موہانی ہوں یا ممتاز
اُن پہ بھی شبدوں کے در ہیں باز
یہ پرلوار جس جگہ جائے
ہر جگہ اپنی شان دکھلائے
دیکھئے سدا اپنے آپ ہو دنگ
ایک اسٹیج پر ہزار ہیں رنگ
دیپ "پردیپ" کے جو جلتے ہیں
چاند تارے بھی ہاتھ ملتے ہیں
اُن کا اندازِ دست وپا دلکش
ان کی ہر ہر ادا، صدا دلکش
ملک و بیرونِ ملک چرچا ہے
"اِندرا جال" کا کرشمہ ہے
یہ جہاں بھی ہیں کامیاب رہے
فضلِ مولا سے فیضیاب رہے
اے مَلِک ہم تو ان کو مان گئے
جان کتنی ہے فن میں جان گئے

۱؎ پردیپ چندر سرکار